© rasailojaraid.com

ضیاء الحق ایم ۔ اے

اسلام میں آزادی اور ذمّہ داری کا تصوّر

انسان ایک ذی عقل مخلوق ہے اس لیے فطری طور پر وہ آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی طرف مائل ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی فطرت میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ بعض اوقات اپنے طرزِ عمل میں تمام پابندیوں کو توڑ دینے کی کوشش کرتا ہے، اور بمقتضائے فطرت اُسے معاشرے ہی میں رہنا ہے اس لیے اسے یہ اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ جو جی میں آئے کرتا پھرے اور کسی ضابطے کا پابند نہ رہے۔ وہ اس طرح دوسروں کے حقوق کو پامال کرنا شروع کر دے گا۔ دوسرے الفاظ میں وہ فکر و عمل کی آزادی سے انہی حدود تک بہرہ ور ہوگا جو حدود کہ معاشرے کے تمام افراد کے لیے ہوں۔ عمرانیات کی زبان میں یہ کہا جائے گا کہ اسے معاشرے کے ایک ذمہ دار فرد کی حیثیت سے عمل پیرا ہونا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اُن ضابطوں، پابندیوں اور حدود کی نوعیت کیا ہے جو اس آزادی پر عائد کی جا سکتی ہیں، اور یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ معاشرہ کس حد تک فرد پر پابندی لگا سکتا ہے؟

ان سوالوں کا جواب دینے سے پہلے مناسب ہوگا کہ ہم اسلامی معاشرے کی اخلاقی اساس کے بارے میں کچھ عرض کریں۔

معاشرے کی اخلاقی اساس

قرآن مجید میں سورہ العصر میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

" زمانہ کی قسم ہے، بے شک انسان گھاٹے میں ہے۔ مگر جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے، اور حق پر قائم رہے اور صبر کرنے کی آپس میں وصیّت کرتے رہے۔"

انسان کا اپنا تجربہ اور عقل و مشاہدہ ہی صرف علم کے حصول کے ذرائع نہیں بلکہ اسے ہمیشہ ایک ایسی الہٰیاتی ہدایت کی ضرورت ہوتی ہے جسے وہ اپنے فیصلے کا معیار بنا سکے اور جس سے وہ اپنے اعمال و افکار کے حسن و قبح اور خوب و ناخوب کو پرکھ سکے۔ یہ دعویٰ کرنا کہ انسان میں یہ استطاعت موجود ہے کہ اپنے منتہا کو سمجھ سکے اور اپنے مقاصد کی قطعی تعیین کر سکے اور اپنے تجربات، اپنی ضروریات اور اپنی آزادی و ذمہ داری کا خود ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معیار بن سکے، درحقیقت ان صحیح اور اعلیٰ اخلاقی بنیادوں کا انکار ہے جن پر ایک صالح اور پاکیزہ معاشی و معاشرتی ڈھانچے کی تعمیر ہو سکتی ہے۔ انسان کی تاریخ یہ ثابت کرتی ہے کہ ایک معاشرہ اسی وقت تک صحت مند رہتا ہے جب تک وہ اخلاقی قوت اس الہیاتی حقیقت سے حاصل کرے۔ جوں ہی یہ اخلاقی قوت کمزور پڑتی ہے معاشرہ انحطاط کا شکار ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ پر محض ایمان لانا ہی کافی نہیں۔ یہ ایمان اُسی صورت میں مکمل ہوتا ہے جب کہ اسے عمل کا جامہ پہنایا جائے۔ اسی عمل سے اخلاقی ذمہ داری کا احساس پیدا ہوتا ہے اور پرورش پاتا ہے:

"پھر جو کچھ بھی تمہیں دیا گیا ہے وہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور سدا رہنے والا ہے۔ یہ ان کے لیے ہے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ اور جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی سے بچتے ہیں، اور جب غصہ میں آتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں، اور وہ جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں اور ان کا کام باہمی مشورہ سے ہوتا ہے۔ اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے کچھ دیا بھی کرتے ہیں اور وہ لوگ جب ان پر ظلم ہوتا ہے تو بدلہ لیتے ہیں۔"

(الشوریٰ ۳۶ - ۳۹)

اسلام انسانی طرز عمل کے لیے ایک اخلاقی حاکمیت کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ انسان کو اس امر کی ہدایت دیتا ہے کہ وہ اس عمل کو اختیار کرے جس سے کہ دنیا اور آخرت دونوں میں خوش حالی اور راحت حاصل ہو۔ خدا پر ایمان اور عملِ صالح، مسلمان کی زندگی کا ماحصل ہیں۔ انسان اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے بغیر نہ تو صحیح قسم کی آزادی حاصل کر سکتا ہے اور نہ اخلاقی طور پر ذمہ داری کے صحیح احساس ہی کی پرورش کر سکتا ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آزادی جو مساوات سے اجتماعی عدل کے اصول پر قائم ہے، اسلامی معاشرے میں کس طرح حاصل ہو سکتی ہے اور یہ کہ آزادی کا تعلق احساسِ ذمہ داری سے کیا ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم کچھ اور عرض کریں، آزادی اور ذمہ داری کے تصورات کا تجزیہ کرنا ضروری ہے۔

آزادی کے لغوی معنی رہائی، چھٹکارا یا خود مختاری کے ہیں۔ اصولی طور پر اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک معاشرے میں ہر انسان ایک آزاد حیثیت رکھتا ہے۔ وہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی پوری استعداد رکھتا ہے اور جو حقوق اسے معاشرہ عطا کرتا ہے ان سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کے قابل ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ اصول اسے اپنی مرضی اور ذمہ داری سے یہ سوچنے اور فیصلہ کرنے کی قوتیں تفویض کرتا ہے۔ کیونکہ آزادی اور ذمہ داری لازمی طور پر ایک دوسرے پر منحصر ہیں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ آزادی سے عمل کرنے کا مطلب اپنے عمل کے لیے جواب دہ ہونا بھی ہے۔ قرآن کے مطابق انسان کی تقویم احسن طریقے سے کی گئی ہے اور آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کو انسان کے کام پر لگا دیا ہے۔ وسخرلکم ما فی السموٰت وما فی الارض جمیعا منہ۔ ان فی ذلک لاٰیٰت لقوم یتفکرون (الجاثیہ -۱۳)

کائنات کے تمام وسائل سے استفادہ انسان کا اوّلین فرض ہے۔ اس کی بنیادی ذمہ داری اپنی صلاحیتوں کا صحیح طور پر استعمال کرنا ہے۔

" قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی اور چاند کی جب وہ اس کے پیچھے آئے اور دن کی جب وہ اس کو روشن کر دے اور رات کی جب کہ وہ اس کو ڈھانپ لے اور آسمان کی اور اس کی جس نے اسے بنایا۔ اور زمین اور اس کی جس نے اس کو بچھایا اور جان کی اور اس کی جس نے اسے درست کیا۔ پھر اس کو اس کی بدی اور نیکی سمجھائی۔ بے شک وہ کامیاب ہوا جس نے اسے پاک کر لیا اور بے شک وہ برباد ہوا جس نے اس کو آلودہ کر لیا" (الشمس ۱-۹)

انسان کے اپنے اعمال کی جواب دہی کے اخلاقی تصوّر کو قرآن نے دوسری جگہ یوں واضح کیا ہے:

" اور ہم نے ہر آدمی کا نامۂ اعمال اس کی گردن کے ساتھ لگا دیا ہے اور قیامت کے دن ہم اس کا نامۂ اعمال نکال کر سامنے کر دیں گے کہ اپنا نامۂ اعمال پڑھ لے۔ آج اپنا حساب لینے کے لیے تو ہی کافی ہے۔ جو سیدھے راستے پر چلا تو اپنے ہی لیے چلا اور جو بھٹک گیا تو بھٹکنے کا نقصان بھی وہی اٹھائے گا اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا"

(بنی اسرائیل ۱۳-۱۵)

اسلام میں آخرت کے عقیدے کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے مطابق ایک دن ہر انسان سے اس کے اعمال کا حساب کتاب لیا جائے گا۔ اس بات سے انسان کی معاشرتی ذمہ داری اہمیت اختیار کر لیتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "تم میں سے ہر ایک چرواہا ہے جو اپنی رعیت کا ذمہ دار ہے۔ لوگوں کا امام یعنی حاکم بھی ایک چرواہا ہے جو اپنی رعیت کا ذمہ دار ہے۔ ہر آدمی اپنے خاندان کا چرواہا ہے جو اپنے افرادِ خاندان کا ذمہ دار ہے۔ عورت اپنے خاوند کی طرف سے گھر کی ذمہ دار ہے جو بچوں کی نگران ہے۔ خادم اپنے آقا کی جائداد کا چرواہا ہے اور اس کا ذمہ دار ہے۔ خبردار ہو تم میں سے ہر ایک شخص چرواہا ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں حساب لیا جائے گا" (صحیح بخاری۔ کتاب الاحکام)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامی معاشرے میں حقوق و فرائض

معاشرہ ایک اجتماعی تنظیم ہوتی ہے جس کی بنیادیں معاشرتی حقوق و فرائض پر استوار ہوتی ہیں علاوہ ازیں معاشرہ افراد پر مشتمل ہوتا ہے۔ لہٰذا آزادی اور ذمہ داری کے مسائل اولیں طور پر فرد سے ہی متعلق ہوتے ہیں۔ اجتماعی طرزِ عمل کا مسئلہ اس کے بعد آتا ہے۔ چنانچہ حقوق و فرائض کے مسئلے پر ہم دو طریقوں سے بحث کر سکتے ہیں۔ کسی بھی معاشرتی تنظیم کی کامیابی یا ناکامی کا صحیح اندازہ انہی حقوق و فرائض کے اصولوں سے کیا جا سکتا ہے جو انسانی زندگی کی رہنمائی اور صحت مند معاشرے کے ارتقا میں بہت نمایاں حصہ لیتے ہیں۔ ہم اس مسئلے کا جواب اسلام کے معاشرتی فلسفہ کی روشنی میں دینے کی کوشش کریں گے۔

مذکورہ بالا قرآنی آیات میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ اسلام انسان کے انفرادی کردار کی تربیت پر خاص توجہ دیتا ہے۔ اگر فرد اچھا ہے تو لازمی طور پر معاشرہ بھی اچھا ہوگا۔ اسلام ایسے معاشرتی نظام کو پیش کرتا ہے جو فرد کا بہت زیادہ خیال رکھتا ہے۔ مثلاً اسلام ہر مسلمان کو بحیثیت ایک فرد کے اپنے تمام اعمال کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ ذمہ داری کا یہ احساس طرزِ عمل کی مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ خواہ یہ تعلق اس کی ذات سے ہو خواہ معاشرے سے ہو یا خدا سے ہو۔ اس نکتے کی تشریح قرآن نے اس طرح کی ہے:

"اور ایک شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ پھر تمہارے ربّ کے ہاں ہی سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ سو جن باتوں میں تم جھگڑتے تھے، وہ تمہیں بتلا دے گا۔" (الانعام: ۱۶۴)

"جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہے وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہے وہ اس کو دیکھ لے گا۔"

(زلزال: ۷، ۸)

"اللہ ہر شخص کو اس کے کیے کی سزا دے گا۔ بے شک اللہ بڑی جلدی حساب لینے والا ہے۔" (الحجر۔ ۵۱)

اس سلسلے میں سب سے پہلے تو اسلام فرد سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔ یعنی اسے اسلام کے تمام احکام اور تعلیمات پر عمل کرنا ہے۔ اُسے اُن صفات اور اچھائیوں کو اپنے اندر پیدا کرنا ہے جو اُسے ایک طرف تو اپنی فطری صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں مدد دیں اور دوسری طرف اُسے معاشرے کا ایک مفید اور صالح فرد بنا سکیں۔ فرد کی اس تربیت کے لیے اُسے ایک ایسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظام عبادات کے تحت رکھا گیا ہے جس کے ذریعے اس کی روحانیت اس کی مادّیت پر غالب رہے اور وہ اس قابل ہو جائے کہ اپنی فطری صلاحیتوں اور قوتوں کا رُخ کائنات کی تسخیر کی طرف موڑ دے۔

اس کے بعد فرد کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنے اہل وعیال اور خاندان کی زندگی و بقا کی خاطر چند ذمہ داریوں کو بھی انجام دے۔ چونکہ خاندان، معاشرتی تنظیم کی پہلی اینٹ ہے اس لیے اسلام نے اسے بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اسلام نے خاندان کی صحیح دیکھ بھال کو انسان کی تمام تر مساعی کے لیے ایک بنیادی مقصد قرار دیا ہے۔

فرد کا یہ بھی فرض ہے کہ اجتماعی اداروں کے ذریعے معاشرے سے اپنا تعلق قائم کرے۔ عامۃ الناس کی فلاح وبہبودی کی خاطر لوگوں سے تعاون کرے تاکہ عمدہ اور صحیح قدروں کی ترویج و ترقی ہو سکے۔ اپنے ان تمام اعمال وتعلقات میں انسان ایک آزاد فرد کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس کی ذمہ داری اس آزادی کو محدود کر دیتی ہے۔ اسلامی شریعت نے انسان کے طرزِ عمل پر چند پابندیاں عائد کی ہیں۔ یہ حدود بہت وسیع ہیں جن کے تحت انسان اپنی صلاحیتوں سے کما حقہٗ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ یہیں سے اس پر ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور اس کی آزمائش شروع ہوتی ہے کہ وہ اپنے طرزِ عمل اور مقاصد میں کس طرح ایک توازن پیدا کرتا ہے۔ قرآن نے اسی لیے مسلمان معاشرے کو امۃ وسطۃ کا خطاب دیا ہے۔

" اور اسی طرح ہم نے تمھیں امۃ وسطۃ بنایا تاکہ تم اور لوگوں پر گواہ رہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔"

(البقرہ : ۱۴۳)

لیکن یہ معاشرتی توازن اسی وقت قائم ہو سکتا ہے جب یہ توازن فرد کی شخصیت میں بھی پیدا ہو جائے۔ اس انفرادی توازن کی نمایاں مثالیں سیرت نبویؐ اور اسلام کی ابتدائی تاریخ سے باسانی مل جاتی ہیں۔ ایک ایسی ہی مثال اخوتِ انسانی کا وہ مشہور واقعہ ہے جس میں مہاجرین اور انصار کو اخوت کے مقدس رشتے میں منسلک کیا گیا (ابن ہشام: سیرۃ: جلد ۲۔ (قاہرہ) ص ۱۲۳-۱۲۴)

وقت کا تقاضا تھا کہ مہاجرین کو فوری طور پر آباد کیا جاتا، تاکہ مسلمان معاشرہ خطرات سے محفوظ ہو جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حکمتِ عملی کے نتائج بہت دور رس ثابت ہوئے۔ مہاجرین اور انصار کی اخلاقی تربیت اس نہج پر ہوئی تھی کہ وہ اسوۂ رسول سے روگردانی نہ کر سکتے تھے۔ انھوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایثار اور قربانی کی وہ مثالیں فراہم کی ہیں کہ آج ناقابلِ یقین معلوم ہوتی ہیں لیکن یہ وہ تاریخی حقائق ہیں جو شک و شبہ سے بالاتر ہیں۔ یہی اخوت بالآخر مدینہ کے اسلامی معاشرے کے استحکام و استقرار کا باعث بنی۔

اس اخلاقی تربیت کی ایک اور مثال غزوۂ حنین ہے۔ اس جنگ میں غنیمت کا ایک بڑا حصہ مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ حضور صلعم نے یہ غنیمت اُن لوگوں میں تقسیم کر دی جو ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ اس سے انصار (مدینہ کے اوس و خزرج) اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ حضور صلعم نے (نعوذ باللہ) اپنی فوجی اور سیاسی فتوحات کے بعد انصار سے سرد مہری اختیار کر لی ہے اور اپنے ہی قبیلے والوں کو نوازنا شروع کر دیا ہے۔ جب رسول اللہ صلعم تک یہ بات پہنچی، انھوں نے تمام انصار کو جمع کیا اور انھیں بتایا کہ مالِ غنیمت کو مکہ کے نومسلموں میں تقسیم کرنے کی صرف یہ وجہ ہے کہ وہ ابھی اپنے ایمان میں کمزور ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ انصار کا ایمان غیر متزلزل ہے۔ ان کی قربانیاں اور خدمات عظیم ہیں۔ رسول اللہ صلعم نے اس بات کی تصریح کی کہ وہ مکہ میں رہنے کی بجائے انصار کے درمیان مدینہ میں رہیں گے۔ اس تقریر سے انصار اتنے متاثر ہوئے کہ ان کے رخسار آنسوؤں سے تر ہو گئے اور وہ افسوس کرنے لگے کہ ان کی اس غلط فہمی سے رسول اللہ کو صدمہ ہوا۔

اسلام انفرادی ذمہ داری کی طرح اجتماعی ذمہ داری پر بھی زور دیتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک ایک باہم مربوط معاشرتی تنظیم اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اسی وجہ سے "جماعت" کا تصور اسلام کی ابتدائی تاریخ میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اجتماعی ذمہ داری کے مظاہر میں صلاۃ با لجماعت زکوٰۃ، شوریٰ کا سیاسی نظام، حج، جہاد اور احتساب کے ادارے قابلِ ذکر ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ معاشرہ اپنے افراد کے حقوق کی حفاظت اُسی وقت کر سکتا ہے جب معاشرے کی اجتماعی شخصیت کو تسلیم کیا جائے اور اس کی مرضی کو بالادستی حاصل ہو۔ جماعۃ یعنی اجتماعی تشخص کو فرد کے مقابلے میں جو برتری حاصل ہے، وہ معاشرتی توازن اور عدل پیدا کرنے کے لیے ہے۔ تاکہ افراد اپنی حدود سے تجاوز نہ کر سکیں۔ اس طرح معاشرے کی اجتماعی ہیئت کو بھی آزادی حاصل ہو جاتی ہے لیکن یہ آزادی چند ہاتھوں میں مرتکز نہیں ہوتی بلکہ پورے معاشرے میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے جس کا مقصد و منتہا فرد کی بہتری ہوتا ہے۔ قرآن نے اس تصور کو بڑی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خوبصورتی سے واضح کیا ہے:

"نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو۔ بلکہ نیکی تو یہ ہے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں پر۔ اور اللہ کی محبت میں رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوال کرنے والوں کو اور گردنوں کے چھڑانے میں مال دے اور نماز پڑھے اور زکوٰۃ دے، اور جو اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہیں جب وہ عہد کرلیں اور تنگدستی میں اور بیماری میں اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے ہیں۔ یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں۔" (البقرہ ۱۷۷)

معاشرتی ذمہ داری کو اسلام نے ایک باقاعدہ نظام کی شکل دی ہے۔ قرآن مسلمانوں کو بحیثیت ایک جماعت یا معاشرے کے خطاب کرتا ہے۔ یہ انھیں حکم دیتا ہے کہ اپنے معاشرتی نظام کو توازن، عدل، انصاف اور احسان کی اساس پر تعمیر کریں۔

"اے ایمان والو! اللہ کے واسطے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو۔ انصاف کرو۔ یہی بات تقویٰ کے زیادہ نزدیک ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو جو کچھ تم کرتے ہو بے شک اللہ اس سے خبردار ہے۔" (المائدہ: ۸)

قرآن مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے معاشی، معاشرتی، سیاسی اور ہر قسم کے مسائل کو باہمی مشورے سے حل کریں۔

"اور وہ جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ان کا کام باہمی مشورہ سے ہوتا ہے۔" (الشوریٰ: ۳۸)

قرآن یہ بھی حکم دیتا ہے کہ مسلمانوں کو ایک ایسی مستقل تنظیم بھی قائم کرنی چاہیے جو لوگوں کی صحیح ہدایت کا کام انجام دے اور انھیں برائی سے منع کرتی رہے:

"تم ایک بہتر امت ہو جو لوگوں کے لیے بھیجی گئی۔ اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔" (آل عمران: ۱۱۰)

نظریے اور عمل دونوں لحاظ سے سورۂ آل عمران کی اس آیت نے معاشرتی احتساب اور مسئولیت کے تصور کو ایک معاشرتی ادارے کی شکل دے دی تھی جس نے تاریخ اسلام میں بہت نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں ایک طرف تو فرد کو پوری آزادی حاصل ہے لیکن اس کی یہ آزادی غیر مشروط نہیں ہے۔ اس کو آزادی اسی وقت تک حاصل ہوگی جب تک وہ دوسروں کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نقصان نہ پہنچائے۔ کیونکہ رسول اکرم صلعم نے فرمایا ہے " مومن وہ ہے جو اپنے بھائی کے لیے وہی چاہتا ہے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے" (متفق علیہ) (مشکوٰۃ: کتاب الآداب)

شریعت اسلامی نے جو اخلاقی حدود مقرر کیے ہیں، فرد کے اعمال اس سے تجاوز نہیں کر سکتے۔ دوسری طرف معاشرے کو عمل کی پوری آزادی ہے لیکن یہ آزادی اجتماعی فلاح پر منتج ہوتی ہے۔ بعض اوقات معاشرہ اجتماعی بہبود کی خاطر افراد کو آزادی اور حقوق سے وقتی طور پر محروم بھی کر سکتا ہے جس کا مقصد دفع ضرر اور منفعت عام ہوتا ہے۔ اس طریقے سے اسلام نے فرد اور اجتماع کے مابین ایک صحیح توازن پیدا کیا ہے اور اسی توازن سے فرد اور معاشرہ اپنے حقوق و فرائض کو حاصل کرتے ہیں۔

فلاح کا تصوّر

ایک شخص کا کوئی حق کبھی مطلق نہیں ہوتا اور اس پر مبنی دعوے معاشرے کے دوسرے افراد کے حقوق کے مطابق ہی ہو سکتے ہیں۔ اسلام کا مقصد حقوق و فرائض کا توازن قائم کرنا ہے جسے قرآن نے فلاح کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ امام راغب الاصفہانی نے مفردات القرآن میں فلاح کی تعریف یوں کی ہے " فلاح کا مطلب فوز و کامیابی ہے اور دنیا و آخرت میں مقاصد کا حصول ہے" (ص ۳۹۲-۹۳) الطبری نے اپنی تفسیر (جلد ۱۔ص ۲۴۹ - ۲۵۰) میں لکھا ہے " فلاح کے معنی مقاصد کا حصول اور احتیاجات و ضروریات کی تکمیل ہے۔"

ان معنوں کا اطلاق اگر معاشرے پر کیا جائے تو فلاح کی تعبیر یوں ہو سکتی ہے کہ یہ وہ طریقہ ہے جس سے معاشرہ اپنے مقاصد کی تکمیل ایک ہم آہنگ اور متوازن اور متناسق انداز سے کرے۔ قرآن نے اس تصور کو بصراحت یوں واضح کیا ہے:

۱۔" فلاح انھیں حاصل ہو گی جو ایمان لائے جو اپنی نماز میں عاجزی کرتے ہیں اور جو بے ہودہ باتوں سے منہ موڑنے والے ہیں اور جو زکوٰۃ دینے والے ہیں اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں یا لونڈیوں پر اس لیے کہ ان میں کوئی الزام نہیں۔ پس جو شخص اس کے علاوہ طلب گار ہو تو وہی حد سے نکل جانے والے ہیں۔ اور جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدے کا لحاظ رکھنے والے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔" (المؤمنون: ۱ - ۹)

۲۔" لیکن رسول اور جو لوگ اس کے ساتھ ایمان والے ہیں وہ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انہی لوگوں کے لیے بھلائیاں ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں" (التوبہ : ۸۸)

۳۔ "اے اللہ! ہمارے لیے اس دنیا میں اور آخرت میں بھلائی لکھ۔ ہم نے تیری طرف رجوع کیا۔ فرمایا میں اپنا عذاب جسے چاہتا ہوں دیتا ہوں اور میری رحمت سب چیزوں سے وسیع ہے۔ پس وہ رحمت ان کے لیے لکھوں گا جو ڈرتے ہیں اور جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ لوگ جو اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو نبی اُمّی ہے جسے اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ اور وہ ان کو نیکی کا حکم کرتا ہے اور برُے کام سے روکتا ہے اور ان کے لیے سب پاک چیزیں حلال کرتا ہے اور ان پر ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے ان کے بوجھ اور وہ قیدیں اتارتا ہے جو اُن پر تھیں۔ سو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی حمایت کی اور اسے مدد دی اور اس کے نور کے تابع ہوئے جو اس کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں" (الاعراف۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷)

مدینہ میں مسلمانوں میں اخوت قائم کی گئی جسے قرآن کی ان آیات میں سراہا گیا ہے:

۴۔ "اور وہ (مال) ان کے لیے بھی ہے جنھوں نے اُن سے پہلے (مدینہ میں) پناہ لی اور ایمان حاصل کیا جو ان کے پاس وطن چھوڑ کر آتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں اور اپنے سینوں میں اس کی نسبت کوئی خلش نہیں پاتے جو کہ مہاجرین کو دیا جائے اور وہ اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ ان پر فاقہ ہو اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچایا جائے وہی لوگ فلاح پانے ہیں۔" (الحشر : ۹)

اِن آیات سے واضح ہوتا ہے کہ مسلم معاشرے میں فرائض کی ادائیگی پر کس قدر زور دیا گیا ہے۔ اس معاشرے کی اہم خصوصیات اس کا اجتماعی اشتراک ہے۔ جس کی بنیاد احساسِ وحدت بھی ہے اور انفرادیت بھی، احساسِ حریت بھی ہے لیکن مسؤلیت کا شدید شعور بھی۔ طریقِ عمل کا اختلاف بھی ہے لیکن اس کا منتہا صرف اجتماعی فلاح ہے۔ اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اس معاشرے میں ہر فرد کو وہ تمام مواقع اور سہولتیں حاصل ہوتی ہیں جن سے اس کی جسمانی اور ذہنی صلاحیتیں جلا پاتی ہیں، اور جن کا تعلق عدل اور آزادی کے مسائل سے ہے۔

عدل اور آزادی کا مسئلہ

افراد کے حقوق کو تسلیم اور معاشرتی عدل کو قائم کیے بغیر معاشرے کی فلاح کا تصور ناممکن الحصول رہتا ہے۔ اسی لیے اسلام نے معاشرتی انصاف پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

"اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو۔ اللہ کی طرف کی گواہی دو اگرچہ یہ انصاف اپنی جانوں پر ہو۔ یا ماں باپ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رشتہ داروں کے خلاف ہو" (النساء: ۱۳۵)

مدنی آزادی

ہم آزادی کو تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ مدنی، سیاسی اور معاشی۔

مدنی آزادی میں زندہ رہنے کی آزادی اور عقیدے اور فکر کی آزادی شامل ہیں۔ اسلام نے تمام افراد کو مدنی آزادی کا حق دیا ہے۔" اور جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے اُسے ناحق قتل نہ کرو۔" (بنی اسرائیل: ۳۳)۔

اس کے علاوہ ہر فرد کو حق حاصل ہے کہ وہ قانون کی حفاظت حاصل کرے۔ اس میں کسی تفریق و امتیاز کی گنجائش نہیں ہے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح البخاری میں ایک علیحدہ باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے " ہر چھوٹے بڑے پر (قانونی) حد جاری کرنا" جس کی تشریح ایک حدیث سے بخوبی ہو جاتی ہے۔

" حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت اسامہؓ نے کسی عورت کے بارے میں رسول اللہ صلعم سے سفارش کی جس پر رسول اللہ نے فرمایا کہ لوگ تم سے پہلے اس لیے تباہ ہوئے کہ وہ غریبوں اور کمزوروں پر قانونی حد جاری کرتے تھے لیکن بڑے لوگوں کو سزا دیے بغیر چھوڑ دیتے تھے۔ خدا کی قسم اگر (میری بیٹی) فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کے ہاتھ بھی کاٹ دیے جاتے۔" (البخاری: کتاب الحدود)

قرآن کے مطابق ہر فرد کو فکر، عقیدے اور مذہب کی آزادی ہے لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی (البقرہ: ۲۵۶)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اُس عہد نامے کا بھی ذکر کیا جائے جو مدینہ میں مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ہوا تھا۔ ہم صرف وہی اقتباس دیں گے جن میں ان کے باہمی تعلقات کا اطلاق مدنی آزادی پر ہوتا ہے۔

ابن ہشام (سیرۃ ص ۱۱۹-۱۲۲) لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے یہودیوں کو اُن کے مذہب اور زمینوں پر قائم رہنے دیا اور باہمی فرائض کا عہد نامہ تیار کر دیا۔ جو اس طرح ہے " مسلمان باغیوں اور ظالموں کے خلاف ہوں گے اور اُن کے خلاف ہوں گے جو ظلم و عدوان اور برائی کو پھیلائیں گے۔ ہر فرد کا ہاتھ اس کے خلاف اٹھے گا چاہے وہ کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ . . . . . مسلمان ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔ وہ یہودی جو ہمارے ساتھ ہو گا وہ ہر مدد اور مساوات کا مستحق ہو گا۔ نہ اس کے ساتھ ظلم ہو گا اور نہ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے دشمنوں کی اعانت کی جائے گی..... سب کے لیے انصاف اور عدل کے حالات پیدا کیے جائیں گے۔"

سیاسی آزادی

سیاسی آزادی غیر محدود آزادی نہیں ہوتی۔ اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ ہر فرد کو سیاسی معاملات میں حصہ لینے کا حق حاصل ہے۔ لیکن اسلام اس حق پر چند شرائط عائد کرتا ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ مسلمانوں کے تمام معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں۔ شوریٰ سے ہم ایک عام اصول بنا سکتے ہیں کہ مسلم معاشرے کے تمام افراد مساوی طور پر سیاست میں اشتراک کے مستحق ہیں۔ وہ حکومت کی پالیسیوں پر نظر رکھتے ہیں اور غلط باتوں پر تنقید کرتے ہیں۔ سیاسی احتساب کی واضح مثال حضرت ابوبکرؓ کا وہ خطبہ ہے جو انھوں نے اپنے خلیفہ بننے پر دیا تھا۔ آپ نے فرمایا "تم لوگوں نے مجھے اپنے معاملات کا نگراں مقرر کیا ہے۔ اگرچہ میں تم میں سے بہتر نہیں ہوں لیکن یہ یقین رکھیں کہ میں کمزور شخص کو طاقت ور سمجھوں گا جس کو اس کے حقوق مل جائیں گے۔ میری نظر میں ایک طاقت ور شخص جو دوسروں کے حقوق کو غصب کرتا ہے، اس وقت تک نہایت کمزور ہوگا جب تک کہ میں مظلوم لوگوں کے چھنے ہوئے حقوق انھیں واپس نہ کرا دوں۔ میری پالیسیوں پر کڑی نظر رکھو۔ اگر میں اپنے فرائض کو احسن طریقے سے انجام دوں تو میری اعانت کرو لیکن اگر میں کوئی غلط کام کروں تو مجھے (احتساب کے ذریعے) ٹھیک کر دو۔" (ابوعبید: کتاب الاموال ص ۴-۵)۔

معاشی آزادی

معاشی آزادی کا تمام تر انحصار ایک ایسی معاشی تنظیم پر ہوتا ہے جس کے مطابق عوام کو اجتماعی دولت پر مساوی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ اسلام نے عدل پر مبنی معاشی تنظیم کے چند اصول بتائے ہیں جن میں ہر فرد بلا خوف و خطر اور بلا کسی استحصال کے اپنی شخصیت کی تربیت کرتا اور تمام آسائشوں کو حاصل کرتا ہے۔ قرآن اور سنت میں اس بات پر بہت زور دیا گیا ہے کہ تمام افراد کو بغیر امتیاز کے تمام معاشی حقوق دیے جائیں۔ غریب کو کھانا کھلانے، ننگے کو لباس پہنانے، یتیم کی مدد کرنے اور مظلوم کی اعانت کرنے کے بارے میں بار بار تاکید کی گئی ہے۔

سورۂ 'الماعون' میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "کیا آپ نے اس کو دیکھا جو روزِ جزا کو جھٹلاتا ہے۔ وہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔ پس ان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں جو دکھلاوا کرتے ہیں اور برتنے کی چیز تک روک لیتے ہیں۔" (سورۃ الماعون)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"لیکن انسان تو ایسا ہے کہ جب اُسے اس کا ربّ آزماتا ہے پھر اُسے عزت اور نعمت دیتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت بخشی ہے لیکن جب اللہ اسے آزماتا ہے پھر اس پر اس کی روزی تنگ کرتا ہے تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔ ہرگز نہیں بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور نہ مسکین کو کھلانے کی رغبت دیتے ہو اور میت کا ترکہ سب سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہو" (الفجر۔ ۱۴ تا ۲۰)

ان آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگر معاشرہ معاشی عدل کو قائم نہیں کرتا اور مظلوم طبقوں کی اعانت نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کو انحطاط و تنزل کی اتھاہ گہرائیوں میں پھینک دیتا ہے۔

اسلام سے قبل عرب میں عورتوں اور بچوں کو ورثہ نہیں ملتا تھا۔ دلیل یہ دی جاتی تھی کہ وہ جنگ میں دشمن سے لڑ نہیں سکتے۔ لیکن اسلام نے معاشی استحصال کے وہ تمام دروازے بند کر دیے جن کے ذریعہ کمزور اور مظلوم طبقوں پر ظلم ہوتا تھا۔ رسول اکرم صلعم نے فرمایا ہے کہ جو شخص بیوہ عورتوں اور غریبوں کی دیکھ بھال کرتا ہے وہ اس مجاہد کی طرح ہے جو اللہ کی راہ میں لڑتا ہے۔ الساعی علی الارملۃ والمسکین کالمجاھد فی سبیل اللّٰہ (الصحیح البخاری: کتاب الآداب)

معاشی لحاظ سے مفلوک الحال طبقوں کے افلاس کو دور کرنا انفرادی ذمہ داری ہی نہیں بلکہ اسلام کی نظر میں یہ ایک اجتماعی فرض بھی ہے۔ قرآن میں آیا ہے:

"وہ لوگ (مسلمان) اگر ہم انھیں دنیا میں حکومت دے دیں تو نماز کو قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، نیک کاموں کا حکم کرتے ہیں اور بڑے کاموں سے روکتے ہیں اور ہر کام کا انجام تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔" (الحج۔ ۴۱)

اس لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ غریب طبقوں کو بھی معاشرے کے عاملین پیداوار میں برابر کا شریک کیا جائے۔ اس کے بغیر اخوت، مساوات، تعاون علی البرّ والتقویٰ اور المعروف کے اسلامی مقاصد کی تکمیل ممکن نہیں۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ وسائل پیداوار جو مخلوق خدا پر حکمران ہو جاتے ہیں انھیں اجتماعی حکمرانی میں دے دیا جائے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ نجی ملکیت کو ختم کر دیا جائے بلکہ اسے اجتماعی مصالح کے تحت رکھا جائے۔

اسلام دولت کے حصول کو معاشرتی فرائض کی انجام دہی کا پابند کر دیتا ہے جب یہ حکم دیتا ہے کہ ہر فرد اپنی دولت کا ایک حصہ محروم طبقے کی اعانت کے لیے لازمی طور پر ادا کرے۔ معاشی عدل کے تقسیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دولت کے پہلو کی وضاحت ایک آیت سے ہوتی ہے:

"جو مال اللہ نے اپنے رسول کو اہل القریٰ سے دلایا ہے اللہ اور رسول اور قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ وہ تمہارے دولت مندوں میں گردش نہ کرتا رہے اور جو کچھ تمہیں رسول دے اسے لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز رہو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔"

(الحشر ۷)

ابن حزم (المتوفی ۴۵۶ھ) کا خیال ہے کہ اگر زکوٰۃ کی رقوم سے عوام کی بنیادی ضروریات پوری نہ ہوسکیں تو حکومت کو اختیار حاصل ہے کہ وہ امراء پر سختی کرے کہ وہ (اپنی دولت سے) محتاجوں کی بنیادی احتیاجات کو پورا کریں (المحلیٰ : جلد ۶، ص ۱۵۶)

معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے نزدیک انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ کسی فرد کو آسائشوں اور تعیشات سے یک لخت محروم کر کے معاشرے کے مفلوک الحال افراد کو ان کی بنیادی ضروریات (روٹی کپڑا، رہائش، تعلیم اور علاج) بہم پہنچائی جائیں۔ اس کا جواز یہ ہے کہ کسی فرد کو بنیادی ضروریات سے محروم رکھنا اس کی آزادی کے حق کا انکار ہے۔ شاید یہی وجہ تھی جس نے حضرت عمرؓ کو بالآخر یہ کہنے پر مجبور کر دیا "اگر مجھے اس بات کا علم پہلے ہو جاتا جو اب ہوا ہے تو میں امیروں کی تمام زائد از ضرورت دولت کو چھین کر غریب مہاجرین میں تقسیم کر دیتا۔" (ایضاً ص ۱۵۸)

(قرآنی آیات کا ترجمہ خدام الدین لاہور کے مطبوعہ قرآن: مترجم مولانا احمد علی سے لیا گیا ہے)

© rasailojaraid.com